بسم اللہ الرحمن الرحیم

واپسی

جمیل عثمان

بزرگ کی پیشانی کی لکیریں ان کی جہاندیدگی کا پتہ دیتی تھیں- آنکھوں کے کناروں سے جھریوں کی لکیریں نکل کر کنپٹیوں کی طرف پھیل گئی تھیں اور جب وہ ہنستے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے ان کی آنکھوں کے کناروں سے شعائیں پھوٹ رہی ہوں- ان کا چہرہ کلین شیو تھا- رنگ خوب صاف تھا اور بال، جو کہ کنپٹیوں اور سر کے پچھلے حصے پر بچ رہے تھے، برف کی طرح سفید تھے- یہاں تک کہ بھنویں بھی سفید ہو چکی تھیں- ہلکا بادامی رنگ کا سفاری سوٹ اور سیاہ پمپ شوز پہنے اور ہاتـــھ میں چھڑی لئے جب وہ گورنر ہاؤس سے باہر نکلے تو ارون کمار انہیں دیکھ کر بہت مرعوب ہوا- ان کا انداز بتا رہا تھا کہ "عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں-" ان کے پیچھے گورنر بھی تھے- وہ ان کے ساتھ سیڑھیوں تک آئے اور انہیں الوداع کہا- پھر ارون کمار کو ہدایت دی کہ ان کا بہت خیال رکھے- پورچ میں جیپ کھڑی تھی اور ارون کمار کا اسسٹنٹ ، بابو ، دروازہ کھولے کھڑا تھا - بزرگ باوقار انداز سے چلتے ہوئے جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے - ارون کمار نے ڈرائیور کی سیٹ سنبھالی اور بابو ایک بیگ لئے پیچھے بیٹھ گیا - اس بیگ میں بسکٹس ، خشک میوے ، جوس اور پانی کی بوتلیں تھیں -

صبح کے تقریباً نو بجے ہوں گے جب جیپ پٹنہ سے روانہ ہوئی - شہر کے حدود سے نکل کر جیپ اونچے نیچے ناہموار راستوں پر چل پڑی -

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" بابو نے پوچھا -

"سات سمندر پار سے -" بزرگ نے پیچھے مڑ کر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا -

"سات سمندر پار ؟" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی -

"صاحب امریکہ سے آئے ہیں -" ارون کمار نے وضاحت کی - پھر اس نے بزرگ سے پوچھا "آپ گورنر صاحب کو کیسے جانتے ہیں ؟"

"میں تو انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا -"

"پھر ؟" ارون نے تعجب سے پوچھا -

"میں نے انہیں امریکہ سے فون کیا تھا کہ میں اپنا آبائی گاؤں دیکھنا چاہتا ہوں - انہوں نے مہربانی کی اور مجھے اپنا مہمان بنا لیا -"

"آپ کے گاؤں کا کیا نام ہے ؟" بابو نے پوچھا -

"اساڑھی -"

"صاحب ، آپ نے بہت اچھا کیا تھا کہ پــــرگنے کا نام لکھ دیا تھا - جب گورنر صاحب نے ہمیں پرگنہ بتایا تو اس سے گاؤں کا پتہ لگانے میں بڑی آسانی ہوئی -" ارون کمار نے کہا -

"ہاں" بزرگ نے تائید کی ، "مغل بادشاہوں نے ہندوستان کو پــــرگنوں میں تقسیم کر دیا تھا - اس سے انتظامات کرنے میں آسانی ہوتی تھی -"

دو گھنٹے ہو گئے - جیپ کچی پکی سـڑک پر اچھلتی ، ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی - اپریل کا مہینہ تھا ، گرمیاں شروع ہو چکی تھیں اور دن گزرنے کے ساتھ گرمی یبڑھــت جا رہی تھی - اچانک جیپ بری طرح جھٹکے کھانے لگی اور ایک طرف کو جھک گئی - ارون کمار نے مضبوطی سے اسٹیرنگ کو پکڑے رکھا - جیپ الٹتے الٹتے بچی تھی - گاڑی لڑکھڑاتی ہوئی چلتی رہی ، اس کے نیچے سے کسی پرزے کے زمین پر گھسٹنے کی آواز آ رہی تھی - ارون نے آہستہ آہستہ گاڑی کو سڑک کے کنارے لگایا - گاڑی تھوڑی دور جاکر رک گئی -

ارون کمار اور بابو اتر کر دیکھنے لگے - تھوڑی دیر بعد واپس آ کر انہوں نے اطلاع دی کہ گاڑی کا ٹائی راڈ ٹوٹ گیا ہے -

"اوہ میرے خدا !" بزرگ پریشان سے ہو گئے ، "اب کیا ہو گا ؟"

"صاحب ، میں ضلع کے ایس ڈی او کو فون کرتا ہوں - وہ میرا دوست ہے -"

"ٹھیک ہے -" بزرگ نے کہا -

ارون کمار نے اپنے سیل فون سے ایس ڈی کو فون کیا اور کافی دیر تک اسے سمجھاتا رہا کہ کیا ہوا ہے - پھر فون بند کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ دوسری گاڑی بھیجی جا رہی ہے - مگر اسے پہنچنے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے لگ جائیں گے -

سڑک کے کنارے ایک چائے خانہ تھا - یہ لوگ وہاں جا کر بیٹھ گئے اور چائے پینے لگے - ایک دیہاتی قریب ہی بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا - اس نے انہیں پیشکش کی کہ وہ اس کی جھونپڑی میں چلے چلیں کیوں کہ یہاں گرمی بہت تھی- تجویز معقول تھی - جھونپڑی میں واقعی ٹھنڈک تھی - اس کی دیواریں مٹی کے اینٹوں کی اور چھت پھونس کی تھی - فرش اور دیواروں کو تین فٹ اونچائی تک اچھی طرح لیپا گیا تھا - ایک طرف ایک جھلنگی چارپائی پڑی تھی ، اس کے ساتھ دو کرسیاں تھیں - ایک طرف ایک لمبے سے بنچ پر ٹن کے دو بکس رکھے ہوئے تھے - دوسرے کونے میں الگنی تھی جس پر کچھ کپڑے لٹک رہے تھے - مکین نے بزرگ کو ایک کرسی پیش کی اور دوسری ارون کو - خود چارپائی پر بیٹھ گیا - بابو بھی اس کے برابر بیٹھ گیا - آس پاس سے بھی کچھ لوگ ایک اجنبی کی آمد کی خبر سن کر آ گئے تھے - فرش پر چٹائی بچھا دی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے فرش لوگوں سے بھر گیا - سب امریکہ سے آئے ہوئے بزرگ کو دیکھنے آئے تھے - لوگ ان سے پوچھنے لگے کہ وہ کون ہیں ، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں - انہیں جب معلوم ہوا کہ بزرگ کے آبا و اجداد اسی علاقے کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں تو ان

کا اشتیاق اور بڑھ گیا اور سب فرمائش کرنے لگے کہ وہ اپنی داستان سنائیں - بوڑھے بزرگ نے اپنی داستان گوئی کا آغاز کچھ اس طرح سے کیا :

"ہمارے پرکھے مکے میں رہا کرتے تھے، کعبہ شریف کے چاروں اور بستی بسائی ہوئی تھی - بیوپار کرنے دوسرے دیس جاتے تھے مگر لوٹ کر وہیں آتے تھے اور کعبے کے چاروں طرف رہنے کو ضروری خیال کرتے تھے - مگر ہمارے باپ دادا کو بہت تنگ کیا گیا - ہمارے رسول نے جب اسلام کا پرچار شروع کیا تو پورے پریوار کو ایک پہاڑی گھاٹی میں بند کر دیا گیا - سب لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ کوئی بھی ان سے نہ لین دین کرے اور نہ شادی بیاہ رچائے - کچھ دنوں بعد وہ گھیراؤ تو ختم ہوا مگر پورا گاؤں ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا - پھر ایک رات ان کو جان سے مارنے کی چال چلی گئی - وہ تو کچھ بھیدیوں نے خبر کر دی اور وہ راتوں رات مدینے چلے گئے اور جان بچ گئی - مدینے میں بڑی آؤ بھگت ہوئی - لوگوں نے سر آنکھوں پر بٹھایا ، راج پاٹ بھی ملا - مگر تیسرے جنم پھر گھر بار چھوڑنا پڑا - رسول کے ناتی پورے پریوار کے ساتھ کربلا (عراق) پہنچے - وہاں سبھوں کو مار ڈالا گیا - صرف ایک بیٹا بچا تھا - وہ مدینے واپس آیا - گھر بسایا اور نسل آگے بڑھی - مدینے میں لوگ باگ اتنا مانتے تھے کہ راجوں مہاراجوں کو خطرہ ہونے لگا کہ کہیں ان کا راج نہ چھن جائے - مدینے میں بھی انہیں چین سے نہیں رہنے دیا گیا - عباسی خلیفہ نے باقاعدہ حکم دیا کہ ان لوگوں پر کڑی نظر رکھی جائے - یہ لوگ بہت مقبول ہو رہے ہیں - خلیفہ کے کھوجیوں نے یہ صلاح دی کہ خلیفہ ان لوگوں کو بغداد بلا لیں - نتیجہ یہ کہ وہ بغداد آ گئے - مگر بغداد آنے کے بعد ﯼﺑــﮭ سکون نہیں ملا - وہاں سے ہجرت کر کے ایران پہنچے اور مازندران کے قصبہ آمول کے پر پیچ پہاڑوں پر رہے - چند برس ہی گزرے تھے کہ خواب میں بشارت ملی کہ یہاں بھی امان نہیں ہے - لہٰذا وہ گھوڑے پر چل پڑے - ایران ، افغانستان، سرحد، پنجاب اور یو پی ہوتے ہوئے بہار پہنچے - اور ایک جگہ ڈیرہ ڈالا - اسی جگہ کا نام اسا ڑھی ہے اور اسی کو انہوں نے اپنا وطن بنایا - حضرت سلطان شاہ صاحب یہیں آباد ہوئے اور یہیں دفن ہوئے - کتابوں میں لکھا ہے کہ گاؤں میں

ٹیلے کے اوپر تین قبریں ہیں - ایک سلطان شاہ کی ، دوسری ان کے والد کی اور تیسری ان کی والدہ کی - ایک کونے میں ایک چوتھی قبر بھی ہے جو ان کے دوست کی ہے - پہلے ان قبروں پر ایک مقبرہ بنا ہوا تھا ، لیکن اب مقبرے کے صرف تین ستون باقی بچے ہیں - کہتے ہیں کہ ٹیلے کے قریب ایک کنواں بھی ہے - میرے پرکھوں میں سے کوئی ایک آدمی طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا - اس نے کتاب میں سب کچھ لکھا ہے - میں نے کتابوں میں پڑھا ہے - اس خاندان کے صرف دو لوگ اب تک وہاں پہنچے ہیں - میں شاید تیسرا ہوں گا - پھر اب سے کوئی چار سو سال پہلے میرا خاندان یہاں سے بھی ہجرت کر گیا اور سیتا پور یو پی میں جا کر بس گیا - 1947 میں ایک بار پھر ہجرت کرنی یپــڑ اور سیتا پور سے نکل کر لاہور، پاکستان میں آباد ہوئے - میں کوئی 40 سال کا ہوں گا جب پاکستان بھی چھوڑ دیا اور امریکہ چلا گیا - وہاں کوئی چالیس سال سے ہوں -

تو بھائیو ! ہجرت ہم پر مسلط کر دی گئی - برسہا برس بیت گئے ، سالہا سال گزر گئے ، نسل در نسل ہم ہجرت پر ہجرت ہی کر رہے ہیں - آج میں سات سمندر پار کر کے یہاں تک پہنچا ہوں کہ اپنے پرکھوں کی قبروں کو ایک نظر دیکھ لوں ، ان پر فاتحہ پڑھ لوں -"

داستان گو نے داستان ختم کی تو جھونپڑی میں موجود ہر آدمی خاموش ، کسی سوچ میں گم تھا - بابو ایک بڑے سے پتیلے میں چائے لے کر آیا اور سب لوگوں کو مٹی کے پیالوں میں چائے تقسیم کی - ابھی لوگ چائے پی ہی رہے تھے کہ گاڑی آ گئی - ڈرائیور اپنے ساتھ ایک میکنک بھی لایا تھا جو خراب جیپ کو چیک کرنے لگا -

نئی گاڑی ایک ایس یو وی (SUV) تھی - ارون کمار نے بزرگ کو ڈرائیور کے برابر اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود بابو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا –

ڈرائیور نے گاڑی بیک کی اور میکنک سے کہا "ابھی tow ٹرک آئے گا - تم یہ جیپ لے کر اپنے ورکشاپ چلے جانا اور اس کو ٹھیک کر کے رکھنا - ہم شام تک واپس آویں گے -"

"ٹھیک ہے بابو-" میکنک نے کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا -

گاڑی آگے بڑھی اور ایک بار پھر یہ لوگ نا ہموار راستوں پر چل پڑے - ارون کمار کے پاس نقشہ بھی تھا - وہ ڈرائیور کو راستہ بتاتا جا رہا تھا - دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے -

یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا - ٹوٹے پھوٹے مکانات ، زمیں بوس جھونپڑیاں ، ہر طرف جھاڑ جھنکار ، ہر سو بے ترتیب اگے ہوئے خود رو پودے ، پگڈنڈیاں گھاس پھوس سے چھپی ہوئی ! گاؤں کے بیچوں بیچ ایک اندھا کنواں تھا ، اس کے آگے ٹیلہ تھا جس پر تین ستون نظر آ رہے تھے - اس سے آگے مسجد تھی - ہر طرف ہو کا عالم تھا - نہ آدم نہ آدم زاد !

بزرگ گاڑی سے اترے اور چھڑی ٹیکتے ہوئے چلنے لگے - ارون کمار ان کے ساتھ چل رہا تھا اور ڈرائیور اور بابو پیچھے تھے - انہوں نے گاؤں کا ایک چکر لگایا - مسجد کے پاس آئے - اس کے در و دیوار پر کالے دھبے تھے - یہ شاید خون کے دھبے تھے جو اب سیاہ ہو چکے تھے - پھر وہ کنویں کے پاس آئے اور تھوڑی دیر وہاں رکے - بزرگ سوچ رہے تھے کہ ایک وقت ہو گا جب اس کنویں سے گاؤں کی لڑکیاں پانی بھرتی ہوں گی ، درختوں پر جھولے ڈال کر ملہار گاتی ہوں گی ، کبھی یہاں زندگی گنگناتی ہو گی ، سرسوں پھولتی ہو گی ، کھیتوں کھلیانوں میں کسان اناج اگاتے ہوں گے ، جھٹپٹے کے وقت جھونپڑیوں کے آگے انگیٹھیاں سلگائی جاتی ہوں گی جن کے دھویں کی خوشبو پورے گاؤں میں پھیلی ہوتی ہوگی ، مویشیوں کے باڑے سے کسی گائے کے رانبھنے یا کسی بکری کے ممیانے کی آواز آتی ہو گی - 1946 کے فسادات میں سب کچھ ختم ہو گیا - تمام مرد قتل کر دیے گئے تھے اور عورتوں نے کنویں میں کود کر خود کشی کر لی تھی - کنواں عورتوں کی لاشوں سے پٹ گیا تھا - آج یہاں کچھ بھی نہیں تھا - چاروں طرف ایک ہولناک سناٹا طاری تھا - بزرگ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں -

ارون کمار نے انہیں دیکھا اور ان کی کیفیت بھانپ گیا -

"آپ ٹھیک تو ہیں نا ؟"

"ہاں !" انہوں نے کہا -

ارون نے پانی کی ایک بوتل ان کی طرف بڑھائی - "تھوڑا پانی پی لیجئے - گرمی بہت ہے -"

انہوں نے بوتل لے کر دو گھونٹ لئے اور واپس ارون کو دیتے ہوئے بولے:

"یہ دنیا اتنی پرانی ہے کہ ایک ایک یگ ایک ایک دن کے برابر ہوتا ہے - چاہے ہم جتنی دور چلے جائیں ، جتنے دن بیت جائیں ، وہ جگہیں تو یاد آتی ہیں جنہیں ہم چھوڑ آتے ہیں - ہجرت کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے - اصل میں جب انسان حیوان بن جاتا ہے تو حیوانیت کی انتہا نہیں رہتی - اس میں ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں -"

بزرگ ٹیلے کی طرف چل پڑے - وہ تینوں ان کے پیچھے پیچھے تھے - وہ لوگ آہستہ آہستہ رک رک کر چلتے ہوئے ٹیلے کے اوپر پہنچ گئے - بزرگ سستانے کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئے - چند لمحوں بعد کھڑے ہوئے اور چاروں طرف دیکھنے لگے - مقبرے کی عمارت ڈھے گئی تھی - صرف تین ستون باقی بچے تھے - وہاں تین قبریں تھیں ، ایک سلطان شاہ کی جو بزرگ کے جد امجد تھے ، باقی دو ان کے والد اور والدہ کی اور ایک کونے میں ان کے دوست کی -

بزرگ نے فاتحہ خوانی کی اور پھر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولے ، "ہر چیز بالکل ویسی ہی ہے جیسا کتابوں میں لکھا ہے -"

ارون کمار اور اس کے ساتھی بزرگ کا ہر طرح خیال رکھ رہے تھے - ہر تھوڑی دیر پر پانی وغیرہ کا پوچھتے - وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ بزرگ ہر چار پانچ سال بعد آتے ہوں گے - ارون نے پوچھا :

"اس بار آپ کتنے سال بعد آئے ہیں ؟"

بزرگ مسکرائے اور کہا ، "اس بار ذرا تاخیر ہو گئی ہے - میں صرف چار سو سال بعد آیا ہوں -"